© rasailojaraid.com

تحقیق و تنقید

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

طلوعِ اسلام کے تبصرہ کا جائزہ

ماہنامہ محدث بابت جنوری فروری ۱۹۸۱ء میں "جمہوریت یا اسلام"؟ کے عنوان سے ایک طویل مقالہ شائع ہوا تھا، جس پر ادارہ طلوعِ اسلام نے ماہنامہ "طلوعِ اسلام" اکتوبر ۱۹۸۱ء میں ایک بلسوط تبصرہ شائع کیا ہے۔ مقالہ مذکور کے عنوان ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلام کا سیاسی نظام ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کیا جا سکتا ہے اور اسی بات کے اثبات میں بہت سے عقلی و نقلی دلائل پیش کیے گئے تھے۔ "طلوعِ اسلام" نے اس نظریہ کی تائید یا تردید میں تو کچھ لکھا نہیں، البتہ مقالہ مذکور کی بعض عبارتوں سے اپنے مخصوص عقائد و نظریات کشید کرنے کی کوشش کی ہے جس میں مغالطے بھی ہیں اور مغالطہ آفرینیاں بھی۔ لہٰذا اپنے صحیح مفہوم اور حقیقتِ حال کی وضاحت کے لیے ہمیں یہ مقالہ سپردِ قلم کرنا پڑا جو متعدد اور مختلف مضامین پر مشتمل ہے، اور اس میں صرف اسی حد تک تعرض کیا گیا ہے جتنی جواب کے لیے ضرورت تھی۔ (کیلانی)

فرقہ پرستی

اسلام کے مذہبی فرقوں کے عقائد و نظریات کا مختصر جائزہ

شیعہ اور اہلسنت والجماعت: حضورِ اکرمؐ نے جو امتِ واحدہ چھوڑی اس کے سب افراد مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ پہلا اختلاف جس نے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کیا، سیاسی نوعیت کا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ لوگ شیعانِ علی کے نام سے موسوم ہوئے جس کا مطلب ہے علی کے مددگار۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کو خلافت سے معزول کر کے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا جائے۔ ۳۵ھ میں جب مدینہ سے اکثر صحابہؓ حج پر گئے ہوئے تھے، اس مفسدہ پرداز عنصر نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا اور عامیانہ دباؤ کے تحت حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا، بعد میں یہی لوگ حضرت علیؓ سے چمٹے رہے اور جنگِ جمل کو بھڑکانے کا سبب بنے۔ اس طرح عبداللہ بن سبا کو اپنے مشن میں بہت حد تک کامیابی ہو گئی۔

بعد میں یہی لوگ ایک مستقل فرقہ بن گئے جو اب صرف شیعہ کہلاتے تھے مابعد کے ادوار میں ان میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ انہوں نے اپنے عقائد میں بھی مزید شدت پیدا کر لی مثلاً:

۱۔ تین صحابہ کے سوا باقی سب حضورؐ کی وفات کے بعد منافق ہو گئے تھے۔

۲۔ اصل قرآن چالیس پاروں پر مشتمل تھا۔ موجودہ قرآنِ کریم مکمل نہیں ہے۔ قرآنِ کریم کا اصل نسخہ حضرت علیؓ کے پاس تھا پھر یہ حضرت حسنؓ کے پاس منتقل ہوا، پھر حضرت حسینؓ کے پاس۔ علیٰ ہٰذا القیاس ایک امام سے دوسرے کے پاس ہوتا ہوا بارہویں امام، امام مہدی کے پاس ہے جو بچپن ہی میں غار میں چھپ گئے ہیں، وہ آج تک زندہ ہیں اور قیامت کے قریب اس قرآن کے ساتھ ظہور فرمائیں گے۔

۳۔ شیعہ کے ایک غالی فرقہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ علیؓ کے جسم میں حلول کر گیا تھا اور حضرت علیؓ میں خدائی صفات پیدا ہو گئی تھیں۔

۴۔ ان لوگوں نے سنت کو شرعی حجت تو تسلیم کیا لیکن صرف وہ روایت قبول کرتے تھے جو ان کے کسی نہ کسی امام سے مروی ہو۔ اس طرح انہوں نے احادیث کی اپنی الگ کتابیں تیار کر لیں ... وغیرہ وغیرہ۔

یہ لوگ بھی چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلاتے اور سمجھتے تھے۔ لہٰذا باقی مسلمانوں نے امتیاز کی خاطر اپنا نیا نام تجویز کر لیا اور وہ تھا اہل السنت والجماعۃ۔ یعنی صحابہؓ کی جماعت سے منسلک رہنے والے اور رسول اللہ کی سنت پر کاربند رہنے والے لوگ۔ ان لوگوں نے اپنے عقائد و نظریات میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ تاہم محض امتیاز کی خاطر انہیں اپنا نام تبدیل کرنا پڑا۔ اور دونوں فرقوں میں "مسلمان" کا نام ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔ اہل سنت والجماعۃ کو شیعہ حضرات نے "سنّی" کا نام دیا۔

عقلیت پرست فرقے

جہمیہ:

امت میں دوسرا اختلاف عقل و فکر کی بنیاد پر ہوا۔ اس فتنہ کا آغاز دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے ہوا۔ صفوان بن جہم نامی ایک شخص نے ارسطو کے فلسفۂ الٰہیات سے متاثر ہو کر خدا کے متعلق تجریدی تصور پیش کیا۔ یہ اور اس کے ہمنوا لوگ جہمیہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ ان کے مخصوص عقائد درج ذیل تھے:

۱۔ خدا کے متعلق جہت مقرر کرنے کو وہ کفر سمجھتے تھے اور آیت "ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" میں "استوٰی" کا ترجمہ "استولیٰ" سے کرتے تھے۔ ایسی تمام آیات، جن میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، آنکھ یا پنڈلی کا ذکر ہے، ان کی من مانی تاویل کر لیتے تھے۔

۲۔ تقدیر کے مسئلہ میں وہ انسان کے مجبورِ محض ہونے کے قائل تھے۔ اور جن آیتوں میں انسان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختار بتلایا گیا ہے۔ ان کی من مانی تاویل کر لیتے تھے۔

۳۔ قرآن کی من مانی تاویل کرنے کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ احادیث تھیں۔ لہٰذا جو احادیث ان کے مسلک کے خلاف تھیں ان کو ساقط الاعتبار قرار دے کر انکار کر دیتے تھے۔

۴۔ وہ وحی پر عقل کے تفوق اور برتری کے قائل تھے۔ گو زبانی طور پر ان کا دعویٰ یہی تھا کہ عقل کو وحی کے تابع ہو کر چلنا چاہیے لیکن ہستی باری تعالیٰ میں ان کا تجریدی تصور اور قرآن کی من مانی تاویلات ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ عقل پرست تھے۔

معتزلین:

اسی دور میں ایک اور شخص واصل بن عطاء نامی کا ظہور ہوا جس نے فلسفۂ یونان سے متاثر ہو کر فرقہ جہمیہ سے ملتے جلتے عقائد پیش کیے۔ واصل بن عطاء اور اس کے پیرو فرقہ معتزلہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ جہمیہ اور معتزلہ خدا کے متعلق تجریدی تصور اور عقل کے تفوق میں تو آپس میں ہمنوا تھے مگر تقدیر کے مسئلہ میں انہوں نے جہمیہ سے بالکل الٹ روش اختیار کی۔ وہ انسان کو مجبور محض کے بجائے مختار مطلق سمجھتے تھے، لہٰذا:

۱۔ تقدیر سے متعلق جو آیات جہمیہ کے نزدیک قابلِ تاویل تھیں وہی آیات معتزلہ کے نزدیک اپنے ظاہری معانی میں بالکل درست تھیں اور جو آیات جہمیہ کے نزدیک اپنے ظاہری معانی میں درست تھیں وہ آیات معتزلہ کے نزدیک قابلِ تاویل تھیں۔

۲۔ اسی طرح جن احادیث میں انسان کو مختار بتایا گیا ہے، جہمیہ ان کو ساقط الاعتبار قرار دیتے تھے جبکہ معتزلہ کے نزدیک وہی صحیح اور درست تھیں۔ اور جن احادیث میں انسان کو مجبور بتلایا گیا ہے، جہمیہ کے نزدیک وہ درست اور معتزلہ کے نزدیک ساقط الاعتبار تھیں۔

ان دونوں فرقوں میں سے معتزلہ ہی تاریخ میں زیادہ مشہور ہوا کیونکہ اسے عباسی خلفاء کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ مامون الرشید خود پکا معتزلی تھا۔ مسئلہ خلقِ قرآن اسی دور کی پیداوار ہے۔ معتزلہ چونکہ خدا کی صفات کو بھی حادث سمجھتے تھے۔ لہٰذا ان کے ہاں قرآن بھی مخلوق تھا۔ مامون الرشید جیسا روادار انسان اس مسئلہ میں اتنا شدید تھا کہ وہ قرآن کو اللہ کی طرح قدیم سمجھنے والوں کو مشرک اور گردن زدنی سمجھتا تھا۔ معتزلین کو تاریخ میں RATIONALIST یا عقل پرست فرقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اب ان عقل پرستوں کے مقابلہ میں جو لوگ آئے وہ علمائے ظاہر کے نام سے موسوم ہوئے، یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر قرآن میں خدا کے عرش پر [illegible] اس کے ہاتھ، آنکھ اور پنڈلی کا ذکر ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو ہمیں جوں کا توں تسلیم کر لینا چاہیے۔ اب رہا یہ سوال کہ اللہ

کا مادی جسم، اس کے ہاتھ، کان، آنکھ اور پنڈلی کیسے ہو سکتی ہے تو وہ کہتے تھے کہ ہم یہ جاننے کے مکلف نہیں۔ کیونکہ خدا نے خود ہی کہہ دیا ہے کہ "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" ——— اور نیز یہ بھی فرما دیا کہ، فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ"۔

ان علمائے ظاہر میں سے امام احمد بن حنبلؒ کا نام بالخصوص قابلِ ذکر ہے جنھوں نے اسی مسئلہ خلقِ قرآن کے سلسلہ میں مامون الرشید کے ہاتھوں قید و بند کی سختیاں بھی جھیلیں اور کوڑوں کی پٹائی بھی برداشت کی مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔ مامون کے بعد معتصم باللہ کے دور میں اس مسئلہ پر مناظرہ کے دوران خلیفہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے عقیدۂ اعتزال سے توبہ کی اور امام موصوف کو باعزاز و تکریم قید سے رہا کر دیا۔ چونکہ معتزلہ کے عقائد اسلام کے مزاج سے لگا نہیں کھاتے تھے۔ لہٰذا سرکاری سرپرستی کا سہارا ختم ہوتے ہی یہ فتنہ اپنی موت آپ ہی مر گیا۔

سرسید احمد خان اور ان کے پیرو:

اس کے بعد اس عقل پرستی کے فتنہ کا آغاز ہندوستان میں انیسویں صدی عیسوی میں ہوا جس کے سرخیل سرسید احمد خان تھے۔ اس دور میں دنیا میں ہر جگہ کا مسلمان ذہنی، معاشی، سیاسی غرض ہر لحاظ سے بُری طرح پٹ چکا تھا۔ مغربی تہذیب کا دُنیا بھر میں دور دورہ تھا جو خالص مادہ پرستی پر مبنی تھی۔ اہلِ مغرب کسی ایسی بات کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے جو عقل، تجربہ اور سائنس کی کسوٹی پر پوری نہ اترتی ہو۔ سرسید موصوف نے یورپ میں رہ کر ہی تعلیم حاصل کی جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ نے معتزلہ کے عقائد کی ہمنوائی کے علاوہ اس فکرِ قرآنی میں درج ذیل باتوں کا اضافہ کر دیا:

۱۔ انبیاءؑ کے معجزات سے انکار کر دیا اور ایسی تمام آیات کی من مانی تاویلات پیش کیں جو مضحکہ خیز بھی ہیں اور محیر العقول بھی!

۲۔ فرشتے، جنّ اور شیطان یا ابلیس کی علیحدہ شخصیت سے انکار کر دیا کیونکہ یہ سائنسی معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ فرشتوں سے مراد کائناتی قوتیں، جنوں سے مراد دیہاتی لوگ، شیطان یا ابلیس سے مراد انسان کے اندرونی سرکش جذبات تھے۔

سید موصوف ڈارون کے ہمعصر تھے اور اس کے نظریۂ ارتقاء سے سخت متاثر تھے جس کے نتیجہ میں انہوں نے،

۳۔ آدم کو کوئی خاص فرد، ابو البشر یا پہلا نبی ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ آدم سے مراد بنی نوعِ انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نمائندہ ہے۔

۴۔ قصۂ ابلیس و آدم میں جنت سے مراد اس کی بلوغت سے پہلے کی زندگی اور شجرِ ممنوعہ سے مراد اس کے جنسی جذبات[۱] ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب ظاہر ہے کہ اتنے مسائل میں امت کے مسلمہ عقائد و نظریات سے اختلاف کرنے پر سرسید موصوف کو قرآن کی بے شمار آیات کی تاویلات کرنے کی ضرورت پیش آنی چاہیے تھی۔ لہٰذا آپ نے ایک الگ تفسیرِ قرآن لکھ کر اپنے ان نظریات کی اشاعت کی۔

قرآنی آیات کی ـــــ تاویل کے بعد دوسری بڑی ضرورت احادیث کو راستہ سے ہٹانے کی پیش آتی ہے۔ چنانچہ سید موصوف نے ہر اس حدیث کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا جو ان کے نظریات و عقائد کے آڑے آتی تھی۔

سرسید کے بعد کچھ ایسے لوگ منظرِ عام پر آئے جنہوں نے احادیث کو حجتِ دینی تسلیم کرنے سے یکسر انکار کر دیا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو "اہلِ قرآن" کہلاتے تھے ان کے سرخیل عبداللہ چکڑالوی تھے۔ لہٰذا دوسرے مسلمانوں نے انہیں چکڑالوی کے نام سے موسوم کیا۔ چونکہ احادیث ہی قرآن کے احکام کا عملی نمونہ پیش کرتی ہیں، اس نمونہ کو سامنے سے ہٹانے کے بعد لوگ تشتت و انتشار کا شکار ہو کر کئی فرقوں میں بٹ گئے، ان کے اختلافات اصولی قسم کے تھے۔ مثلاً ایک نماز ہی کو لیجئے۔ کچھ لوگ دن میں دو نمازیں پڑھتے تو کچھ تین۔ کوئی ایک رکعت نماز پڑھتے، کوئی دو رکعت، کچھ ایک سجدہ پر اکتفا کرتے تھے تو کچھ دو سجدے ضروری سمجھتے تھے۔ کچھ سلام پھیر کر نماز ختم کرتے تھے تو کچھ ایسے اٹھ بیٹھتے تھے۔ پھر یہ بھی طے نہ پا سکا کہ نماز میں پڑھا کیا جاتے؟ اس قسم کے اصولی اختلاف ہر معاملہ میں موجود تھے۔ اس تشتت و انتشار کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فرقے اپنی موجودگی کے باوجود اپنی اہمیت کھو بیٹھے ہیں انہیں کالعدم ہی سمجھنا چاہیے۔

ادارہ طلوعِ اسلام:

آج کل معتزلین اور سرسید کی مسند پر ادارہ طلوع اسلام براجمان ہے، جس نے اہلِ قرآن کے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر احادیث سے کلی طور پر تو انکار نہیں کیا۔ تاہم احادیث کے مختلف پہلوؤں پر بحث کر کے احادیث کے مجموعہ کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے، اس کا دعوےٰ تو یہ ہے کہ جو احادیث قرآن کے خلاف ہوں یا سیرتِ رسولؐ اور صحابہ کو داغدار

---

[۱] ان جملہ صفات کا تفصیلی جائزہ ہم ایک الگ مقالہ میں پیش کر رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریں وُہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ لیکن قرآن بھی تو ان کا اپنا ہے۔ ادارہ مذکور نے تین ـــــ جلدوں میں مفہوم القرآن لکھ کر سارے قرآن کے مفہوم کو یکسر بدل ڈالا ہے۔ بھلا جو ادارہ قرآن کو موم کی ناک سمجھ کر اس کے ساتھ یہ کچھ کر سکتا ہے، وُہ احادیث کو جس طرح مانتا ہوگا اس کا اندازہ آپ خود ہی لگا سکتے ہیں۔

ادارۂ طلوعِ اسلام کو معتزلین کے عقائد و نظریات سے بھی اور سر سید احمد کے نظریات سے بھی مکمل طور پر اتفاق ہے۔ علاوہ ازیں اس نے اس فکرِ قرآنی میں مندرجہ ذیل باتوں کا اضافہ کیا ہے:

۱۔ معاشی لحاظ سے اس نے "قرآنی نظامِ ربوبیت" کا تصور پیش کیا ہے جو عملی طور پر کمیونزم کا مکمل چربہ ہے اور انفرادی ملکیت کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ تاہم نظریاتی لحاظ سے کمیونزم کے نظریہ سے اختلاف کیا ہے۔

۲۔ سیاسی لحاظ سے اس نے "مرکزِ ملت" کا تصور پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ خلیفۂ وقت کی اطاعت ہی اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔ گویا حکمران کو لامحدود اختیار دیے ہیں بلکہ وقت کا حکمران ہی رسول ہے۔

۳۔ تاریخی لحاظ سے اس نے سر سید کے شروع کیے ہوئے کام یعنی ڈارون کی تھیوری کو پروان چڑھایا ہے، گویا وُہ وحدتِ انسان کے بجائے وحدتِ حیات کا قائل ہے اور بنی نوعِ انسان کا سلسلۂ نسب اس کائی کے ذرہ سے ملاتا ہے جس میں آج ۳۔ارب سال پیشتر زندگی کا آغاز ہوا۔

۴۔ معاشرتی لحاظ سے اس نے مغرب کے نعرہ "مساواتِ مرد و زن" سے مرعوب ہو کر عورت کو زندگی کے ہر میدان میں مرد کے برابر قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

۵۔ علاوہ ازیں اس نے بعض ایسے حقائق کا بھی انکار کیا ہے جن پر امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے اور جن کے اشارات تو قرآنِ کریم میں ملتے ہیں مگر تفصیل احادیث میں مذکور ہے۔ مثلاً عذابِ قبر، حج کے علاوہ قربانی اور وصیت کی تحدید وغیرہ۔

اور ان سب مسائل کو قرآن سے ثابت کرنے کے لیے ادارہ مذکور کو لغات القرآن، مفہوم القرآن، مطالب القرآن، وغیرہ شائع کرنا پڑیں تاکہ اپنے اندازِ فکر کو قرآن میں سمویا جا سکے۔

فقہی مذاہب اور تقلید

۱ امتِ مسلمہ میں تیسرا بڑا اختلاف فقہی بنیادوں پر ہوا۔ اس اختلاف کا آغاز ۱۲۰ھ، یعنی امام ابو حنیفہؒ کے مسندِ درس پر متمکن ہونے کے وقت سے لے کر امام احمد بن حنبلؒ کی وفات (۲۴۱ھ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک ہے۔ اس دور میں چار مشہور فقیہ پیدا ہوئے۔ یعنی امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل۔

ان چاروں ائمہ میں سے امام مالکؒ اور امام احمدؒ بن حنبل زیادہ تر احادیث کا سہارا لیتے اور حتی الوسع قیاس سے گریز کرتے تھے۔ پھر یہ حضرات ضرورت کے بغیر قیاس نہ کرنے کے قائل بھی تھے۔ امام شافعیؒ نے درمیانہ روش اختیار کی وہ قیاس سے استفادہ میں مبالغہ نہ کرتے تھے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ دوسرے اماموں کے مقابلہ میں قیاس سے زیادہ کام لیتے تھے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

"قیاس امام ابو حنیفہؒ کا اوڑھنا بچھونا تھا اور کثرتِ قیاس کی وجہ سے آپ مخالفین کا ہدفِ ملامت بنے رہے۔" (حیاتِ ابو حنیفہؒ صفحہ ۱۰۴ بحوالہ مناقب امام شافعی للرازی)

سنہ ۱۲۰ھ سے لے کر سنہ ۱۵۰ھ (تاریخ وفات) تک تیس سال کے عرصہ میں آپ نے ۶۰ ہزار اور بقول بعض ۸۳ ہزار قانونی مسائل کے جواب دیے جو ان کی زندگی میں ہی الگ الگ عنوانات کے تحت مرتب کیے گئے (الملکی جلد ۱ ص ۸۶) اور اس طرح انہوں نے اس عظیم خلا کو پُر کر دیا جو خلافت راشدہ کے بعد شورائی کے ختم ہو جانے سے اسلام کے قانونی نظام میں واقع ہو چکا تھا۔ آپ نے جو غیر سرکاری مجلس واضع قانون بنائی تھی۔ اس میں صرف پیش آمدہ مسائل ہی زیرِ بحث نہیں آتے تھے بلکہ معاملہ کی امکانی صورتیں فرض کر کے ان پر بحث کی جاتی اور اس کا حل تلاش کیا جاتا تھا۔

حکومتِ وقت کو کسی ایسی فقہی تدوین کی ضرورت تھی۔ چنانچہ پہلے امام مالکؒ سے التجا کی گئی کہ ان کی کتاب مؤطا کو ملک کا قانون قرار دیا جائے۔ لیکن امام موصوف نے اس سے انکار کر دیا۔ مزید یہ کہ مؤطا نہایت مختصر کتاب بھی جو شائد ایک صدی سے زیادہ عرصہ کے قانونی خلا کو پُر کرنے کے تقاضے بھی پورے نہ کر سکتی۔ لہٰذا مملکتِ عباسیہ نے اس طرف رجوع کیا اور فقہ حنفی ملک کا سرکاری قانون بن گیا۔ امام موصوف کو حکومت نے عہدۂ قضا قبول کرنے کی بھی دعوت دی جسے آپ نے قبول نہیں کیا لیکن آپ کے شاگردِ رشید امام ابو یوسفؒ نے آپ کی وفات سے ۱۶ سال بعد یہ عہدہ قبول کر لیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ فقہ حنفی ملکی قانون بننے کے علاوہ نسبتاً زیادہ مقبول ہو گئی۔ عدالتوں میں قاضی بھی عموماً وہی رکھے جاتے تھے جو اس سلسلہ سے منسلک ہوتے تھے۔

اس دور تک عام مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ کسی خاص امام یا فقہ کی طرف نسبت کرنا پسند نہ کرتے تھے بلکہ کسی مسئلہ میں، جس فقہ میں سہولت دیکھتے اسی کو اختیار کر لیتے۔ فقہ حنفی کے عدالتوں میں رائج ہونے کے بعد حکومت نے یہ قانون بنا دیا کہ ہر شخص کو کسی ایک ہی فقہ کا پابند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونا چاہیے۔ البتہ اسے اختیار ہے کہ جس فقہ کو وہ چاہے پسند کرے۔

تقلید شخصی:

حکومت کی اس روش نے فرقہ وارانہ روش کو ہوا دی۔ پھر جس طرح سیاسی حالات کی بنا پر حنفی مذہب دوسرے مذاہب سے زیادہ مقبول ہو گیا، اسی نسبت سے اس میں عصبیت بھی زیادہ آ گئی۔ حنفی لوگ زبانی طور پر دوسروں کو برحق کہتے تھے لیکن عمدًا اور اعتقادًا اس سے انکار کرتے تھے۔ چنانچہ کسی متعصب حنفی نے یہاں تک بھی کہہ دیا کہ ؎

فَلَعْنَةُ رَبِّنَا أَعْدَادَ رَمْلٍ   عَلَىٰ مَنْ رَدَّ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَةَ

یعنی "جو شخص امام ابو حنیفہ کے قول کو رد کرے اس پر ہمارے رب کی، ریت کے ذروں کے برابر لعنتیں ہوں۔"

ان کی دیکھا دیکھی دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنی پسند کے اماموں کی طرف نسبت کرنا شروع کر دی اور حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے ناموں سے موسوم ہونے لگے۔ تاہم سب ایک دوسرے کو برحق، مسلمان اور اہل سنت والجماعۃ ہی سمجھتے تھے۔ اب ان سب فرقوں میں عصبیت پیدا ہوئی اور اپنے اپنے اماموں کی تقلید شروع ہو گئی۔ تقلید کی تعریف انہی مقلد حضرات کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

"وَالتَّقْلِيدُ قُبُولُ قَوْلِ غَيْرٍ بِلَا دَلِيلٍ فَكَأَنَّهُ جَعَلَهُ قِلَادَةً فِي عُنُقِهِ"

"تقلید کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کر لینے کا نام ہے۔ گویا کہ مقلد نے اپنی گردن میں اس کی اطاعت کا پٹہ ڈال لیا۔"

ظاہر ہے کہ یہاں دلیل سے مراد قرآن، سنت اور اجماعِ صحابہ ہی ہو سکتے ہیں۔

اس تعریف سے واضح ہے کہ مقلدین ذہنی طور پر اپنے امام کو امام نہیں بلکہ پیغمبر ہی سمجھتے ہیں، کیونکہ پیغمبر ہی ایک ایسی ہستی ہو سکتی ہے جس کی ہر بات بلا دلیل قبول کی جانی چاہیے۔ پیغمبر کے علاوہ کوئی ہستی مبرا عن الخطاء نہیں ہوتی۔

پھر ایک ایسا بھی دور آیا اور تقلید کی عصبیت یہاں تک آگے بڑھی کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی امام کا مقلد ہو۔ پانچویں صدی ہجری تک یہ عقیدہ اتنا راسخ ہو گیا تھا کہ جو شخص کسی مخصوص امام کا مقلد نہ ہوتا اسے بطور گالی یہ کہا جاتا تھا کہ یہ چاروں مذاہب سے باہر ہے۔ گویا اس کا اسلام ہی مشکوک قرار پاتا تھا۔

اہلحدیث کے نام کا آغاز: یہ تو ہم بتلا چکے ہیں کہ دوسرے اماموں کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہؒ نے قیاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کام لیا تھا۔ لہٰذا امام مذکور اور ان کے متبعین اہل الرائے کے نام سے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اہل حدیث کے نام سے موسوم ہوئے۔ امام شافعیؒ کی روش بین بین تھی۔

اہل الرائے کا ہرگز یہ مطلب نہ لینا چاہیے کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دیتے تھے۔ امام صاحبؒ جیسے متقی اور دیانتدار شخص کے متعلق یہ بات سوچنی بھی بہت بڑی زیادتی ہوگی، آپ خود فرمایا کرتے تھے:

"إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ" "جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے!"

نیز فرمایا:

"اُتْرُكُوْا قَوْلِيْ بِخَبَرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ!" "اگر حضور اکرمؐ کی حدیث مل جائے تو میرے قول کو چھوڑ دو۔"

آپ نے بعض احادیث کو قبول کرنے میں بے اعتنائی برتی تو اس کی وجہ محض یہ تھی کہ بعینہٖ یہی وہ دور تھا جب کہ بہت سے جھوٹے راویوں نے بے شمار احادیث گھڑ کر پھیلا دی تھیں اور ایسی وضعی احادیث کی تعداد صحیح احادیث سے بہت زیادہ تھی جو اس بات کی قطعی دلیل تھی کہ امتِ مسلمہ حدیث کو شرعی حجت قرار دیتی اور قرآن کے بعد اسے دوسرے درجہ پر سمجھتی تھی۔

فقہی دور کے بعد تیسری صدی کے آغاز میں محدثین کا ایک گروہ آگے بڑھا۔ جس کے سرخیل امام بخاریؒ اور ان کے بعد ان کے شاگردِ رشید امام مسلمؒ تھے۔ ان بزرگوں نے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے کام کو آگے بڑھایا اور اپنی پوری زندگیاں احادیث کی تحقیق و تدقیق اور چھان پھٹک میں صرف کر کے احادیث کے ایسے مجموعے تیار کیے جن پر امتِ مسلمہ رہتی دنیا تک فخر کرتی رہے گی۔ ان بزرگوں نے احادیث کے صرف متون ہی پیش نہیں کیے بلکہ سلسلۂ اسناد کا بھی پورا ذکر کیا، تاکہ تحقیق و تدقیق کا عمل آئندہ بھی جاری ہو سکے، پھر کچھ دوسرے بزرگوں نے ہزارہا راویوں کے حالاتِ زندگی قلمبند کیے اور جرح و تعدیل کے قواعد منضبط کر کے اسے ایک علیحدہ "فنِ اسماء الرجال" کی حیثیت سے پیش کیا جس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہر ہر حدیث کی صحت کا معیار قائم کرنا اہل علم کے لیے آسان ہو گیا اور دوسرے یہ کہ آئندہ کے لیے وضعی روایات کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہ سب بزرگ جنھوں نے حدیث کی خدمت کو اپنا شعار بنایا، اصحابِ حدیث یا اہل الحدیث کہلائے۔

اسی دور میں جبکہ اکثر مسلمان اپنے آپ کو کسی نہ کسی امام کی طرف منسوب کر رہے تھے۔ ایک جماعت ایسی بھی تھی جو نہ تو تقلید کو دین کا جزو سمجھتی تھی اور نہ اپنے آپ کو کسی امام کی طرف نسبت دینا پسند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتی تھی۔ یہ لوگ براہِ راست کتاب وسنت اور اجماع صحابہؓ سے استفادہ کرتے تھے اور جس امام کا اجتہاد قرآن وحدیث یا اجماع کے قریب ہوتا اسے قبول کر لیتے تھے۔ یہ جماعت اہل حدیث کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ دراصل وہی "اہل سنت والجماعۃ" تھی جو ابتدائے اسلام سے چلی آرہی تھی۔ چونکہ اس نے اپنے عقائد ونظریات میں تقلید کے اضافہ کو گوارا نہیں کیا اس لیے امتیاز کی بناء پر اہل حدیث کے نئے نام سے مشہور ہوئی۔

مقلد اور غیر مقلد:

اب مقلدین حضرات نے تقلیدی امتیاز کو برقرار رکھنے کی خاطر اس جماعت اہل حدیث کا نیا نام غیر مقلد تجویز کیا جو ان کے خیال کے مطابق ایک طرح کی گالی اور اسلام سے اخراج کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

سرسید احمد خان اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ ج ۹ شمارہ ۵ صفحہ ۱۲۸ پر اہل حدیث کے متعلق اپنی تحقیق ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"دوسری صدی ہجری میں جبکہ اسلام کی نسبت علماء کے خیالات قلمبند ہوئے اور اس کے چار فرقے قائم کیے گئے۔ یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ اور کچھ عرصہ تک مسلمانوں کو اختیار حاصل رہا کہ وہ ان فرقوں میں سے جس کسی کے مسئلہ کو چاہیں پسند کریں اور اس کی پیروی کریں۔ لیکن جب بنی عباس بادشاہ ہوئے تو انہوں نے ایک حکم تمام مسلمانوں کے نام اس مضمون کا جاری کیا کہ وہ ان چار فرقوں میں سے کسی ایک فرقہ کے تمام مسئلوں کو قبول کر لیں۔ چنانچہ اس کے بعد جو لوگ اس کے خلاف کرتے تھے ان کو سزا دی جاتی تھی۔ اس جبری حکم کے بعد آزادانہ رائے کا اظہار مسدود ہو گیا اور مذہبی دست اندازی کا بڑا زور شور ہوا۔ مگر اس وقت بھی بہت سے ایسے آدمی تھے جو اصلی مذہب کے پابند تھے اور ایسے لوگ اس زمانہ میں اہل حدیث کہلاتے تھے۔ جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے معتقد تھے اور مندرجہ بالا چاروں فرقوں کے مسئلوں کے پابند نہ تھے۔"

پانچویں صدی ہجری میں تقلید کی گرفت کس حد تک مضبوط ہو چکی تھی۔ اس کا نقشہ پروفیسر سلیمان اظہر بحوالہ تاریخ فرشتہ (محمد قاسم فرشتہ م ۱۰۲۱ھ) "سیرت محمدؒ بن عبد الوہابؒ" کے مقدمہ میں یوں کھینچتے ہیں:

"عربی سے صرف چند لوگ ہی آشنا تھے اور انہوں نے جاہل عوام کو بھیڑوں کا گلہ بنائے رکھنے کے لیے عربی میں موجود اسلامی امور پر اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ ملکی زبان میں نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب و سنت کے تراجم تھے نہ شروحات۔ لوگ کبھی کبھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے لیکن اس میں کیا لکھا ہے؟ اس سے وہ سراسر نا آشنا تھے۔ تقلید و جمود کی بندش اس قدر مضبوط ہو چکی تھی کہ ایک مناظرہ میں خواجہ نظام الدین اولیاء نے جب اپنی تائید میں ایک روایت بطور استدلال پیش کی تو ہندوستان کے سب سے بڑے فقیہ خواجہ رکن الدین صاحب نے کہا کہ میں بھی مقلد ہوں اور آپ بھی مقلد ہیں اس لیے حدیث کی کیا ضرورت ہے؟ امام ابوحنیفہ کا قول پیش فرمایئے۔"

ظاہر ہے کہ ایسا عقیدہ اہل حدیث حضرات کو کسی قیمت پر گوارا نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ آخر کس امام کے مقلد تھے؟ کیا نعوذ باللہ ان کا دین نامکمل تھا؟

• بریلوی اور وہابی:

ہندوستان میں زیادہ تر حنفی مسلمان ہی آکر آباد ہوئے۔ یا تھوڑی تعداد میں اہل حدیث، مالکی، شافعی یا حنبلی مسلمان نہایت قلیل تعداد میں ملتے ہیں۔ چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں یہاں حنفی مذہب مزید تفرقہ سے دوچار ہوا۔ سید احمد رضا خان بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) نے عشق رسولؐ کے پردے میں چند نئے عقائد کا اضافہ کیا جو درج ذیل ہیں:

۱۔ جس طرح اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے اسی طرح حضور اکرمؐ بھی حاضر ناظر ہیں۔

۲۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کو مکمل طور پر غیب کا علم ہے اسی طرح حضور کو بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور آپ کا عطائی۔

۳۔ حضور اکرمؐ بشر نہیں تھے بلکہ نور تھے۔

۴۔ نیز یہ کہ اہل قبور پکارنے والے کی پکار سنتے اور اس کی حاجت روائی کی استطاعت رکھتے ہیں۔

چونکہ امام ابوحنیفہؒ ایسے مشرکانہ عقائد کے سخت دشمن تھے۔ الہٰذا سید صاحب مذکور نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا کہ وہ صرف فقہی مسائل کی حد تک امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں، عقائد میں ان کے مقلد نہیں۔ اب جو حنفی اپنے دستور سابق پر قائم رہے وہ تو دیوبندی کہلائے اور جو لوگ سید صاحب کے پیچھے لگ گئے وہ بریلوی کہلائے۔ طرفہ تماشا یہ کہ یہی بریلوی حضرات اپنے آپ کو تو اہل سنت والجماعت سمجھتے ہیں اور اپنے سید صاحب کو امام اہل سنت کہتے ہیں۔ اور دیوبندی حضرات اور اہل حدیث حضرات کو جو ان کے عقائد کو تسلیم نہیں کرتے، "وہابی" کہہ دیتے ہیں جو ایک طرح کی گالی ہے۔ وہابی کا لفظ ہندوستان میں پہلے انگریز نے اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک جہاد میں شامل ہونے والوں کے لیے استعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا۔ بعد میں بریلویوں نے اس لفظ کو اپنے مخالفین کے لیے استعمال کیا۔ اسی دور میں ہندوستان میں ایک اور فرقہ کی نمود ہوئی۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعوای کیا۔ اب جن لوگوں نے مرزا صاحب کے اس دعوی کو تسلیم کر لیا۔ عام مسلمان انہیں مرزائی یا قادیانی کہتے ہیں۔ جبکہ وہ خود اپنے آپ کو "فرقہ احمدیہ" کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ فرقہ غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس کی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔

فرقوں کے نام اور وجہ تسمیہ:

جب کسی جماعت سے ایک فرقہ الگ ہو جاتا ہے تو اپنے مخصوص عقائد کی بناء پر یا تو وہ خود اپنا نام تجویز کر لیتا ہے یا پھر جماعت اس کا نام الگ تجویز کر دیتی ہے تاکہ امتیاز قائم ہو جائے بعینہٖ اس امتیاز کو قائم رکھنے کے لیے بقایا جماعت کو بھی اپنا نام بدلنا پڑتا ہے۔ یا نیا فرقہ اس کا کوئی الگ نام تجویز کر دیتا ہے۔ بس نام کی تبدیلی کی یہی چار صورتیں ممکن ہیں۔ ان کی مثالیں دیکھیے!

۱۔ ابتداءً امتِ مسلمہ کا ہر فرد مسلمان کہلاتا تھا۔ اس جماعت سے ایک فرقہ مخصوص عقائد و نظریات کی بناء پر الگ ہوا۔ وہ خود تو اپنے آپ کو شیعانِ علی کہتا تھا لیکن جماعت نے اس کو صرف "شیعہ" کا نام دیا۔ اب باقی جماعت کے عقائد و نظریات میں گو کوئی فرق نہ آیا تھا۔ تاہم امتیاز کی خاطر اس نے اپنا نام "مسلمان" کی بجائے "اہل سنت والجماعۃ" رکھ لیا۔ جبکہ شیعہ حضرات انہیں سنی کہتے ہیں۔

اسی طرح غلام احمد قادیانی کا فرقہ الگ ہوا تو جماعت نے اس فرقہ کو "مرزائی" کا نام دیا۔ جبکہ وہ خود اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور باقی مسلمانوں کو غیر احمدی۔

سید احمد رضا خاں کے پیروکار اپنے آپ کو اہل سنت والجماعۃ ہی کہتے ہیں لیکن دوسرے مسلمان انہیں بریلوی کہتے ہیں۔ البتہ یہ حضرات دوسروں کو یعنی دیوبندی حنفی اور اہل حدیث دونوں کو، جن میں قدر مشترک مسئلہ توحید ہے ـــــ وہابی کہہ دیتے ہیں۔

۲۔ جو فرقے تعداد میں اقل قلیل ہوتے ہیں صرف انہی کا نام بدلتا ہے جماعت کا نام نہیں بدلتا۔ یہ نیا فرقہ بعض دفعہ اپنا نام خود تجویز کرتا ہے اور بعض دفعہ جماعت اس کا نام رکھ دیتی ہے۔ عقل پرست فرقے بھی اسی قسم میں شامل ہیں۔ تاہم خود اپنا علیحدہ نام پسند نہیں کرتے۔ مثلاً مولوی عبد اللہ کے پیرو کار الگ ہوئے تو انہوں نے اپنا نام "اہل قرآن" رکھا جبکہ عام مسلمان انہیں چکڑالوی کہتے ہیں۔

معتزلین اپنے مخصوص عقائد کی بناء پر الگ ہوئے تو انہوں نے اپنا نام خود کچھ نہیں رکھا بلکہ جماعت نے انہیں معتزلین کا نام دیا۔ یہی صورت ادارہ طلوعِ اسلام کے پیروکاروں کی ہے۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وُہ خود اپنے آپ کو الگ فرقہ بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ تاہم چونکہ وُہ بھی اپنے مخصوص عقائد و نظریات رکھتے ہیں۔ لہٰذا عام مسلمان انہیں پرویزی کہتے ہیں۔

۳۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ بعض دفعہ "مخصوص عقائد و نظریات" نہ رکھنے کے باوجود بھی محض امتیاز کی خاطر جماعت اپنا نام بدل لیتی ہے۔ گو یہ بات بھی مستحسن نہیں تاہم ایک ضرورت ہے۔ شیعہ الگ ہوتے تو باقی جماعت طریقِ سابق پر بدستور قائم رہنے کے باوجود "اہل سنت والجماعۃ" کہلائی۔ معتزلین الگ ہوئے تو ان کے مقابلہ میں جو لوگ آئے، علمائے ظاہر کہلائے۔ اہل الرائے کا چرچا ہوا۔ تو یہی جماعت اہل حدیث کہلائی۔ فقہی مذاہب اور تقلید کا چرچا ہوا تو یہی جماعت اہل حدیث یا غیر مقلد کہلائی۔ اور ہندوستان میں بریلویت کا زور ہوا تو یہی جماعت وہابی[1] کہلائی۔ حالانکہ ان کے عقائد و نظریات میں بحمد اللہ آج تک کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوئی ہے۔

مختلف فرقوں میں سنت کا مقام:

ادارہ طلوعِ اسلام کے پیروکاروں یا اہل قرآن کے سوا امتِ مسلمہ کے تمام فرقے سنت کو اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ تسلیم کرتے ہیں۔ سابقہ ادوار میں گو بعض فرقے بعض احادیث کا انکار بھی کرتے رہے، تاویلات بھی کرتے رہے اور ساقط الاعتبار قرار دینے کی کوششیں بھی کرتے رہے۔ تاہم کسی کو سنت کو اس جائز مقام سے گرانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ اگر رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ، جس کا بڑا ماخذ یہی مجموعۂ احادیث ہے ——— ہی آنکھوں سے اوجھل کر دیا جائے تو قرآن بچوں کا کھیل بن جاتا ہے۔ مثلاً یہی معلوم نہ ہو سکے گا کہ ارکانِ اسلام، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج کی ادائیگی کیونکر کی جائے تو امت میں کسی طرح کی بھی وحدت کا قائم رہنا ناممکن ہے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کی قرآنِ کریم کی حفاظت کی ذمہ داری بھی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے کیونکہ صرف قرآنی الفاظ کی ذمہ داری تو کچھ معنی نہیں رکھتی۔ جبتک اس کا مفہوم بھی متعین نہ ہو۔ انہی وجوہ کی بناء پر سنت کو اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ تسلیم کیا جاتا ہے۔ البتہ سنت کی تعبیر میں مختلف فرقوں میں کچھ فرق ہے:

شیعہ حضرات تو صرف ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں جو ان کے کسی نہ کسی امام سے مروی ہوں۔ انہوں نے اپنے مجموعہ ہائے حدیث بھی الگ تیار کر لیے ہیں۔ باقی تمام فرقوں کے مجموعہ ہائے حدیث متفق علیہ ہیں۔ اہل حدیث حضرات تو ان میں کسی قسم کی تاویل گوارا نہیں کرتے۔ فقہی مذاہب میں سے

---

[1] لفظ وہابی کا اطلاق دیوبندی حنفیوں پر بھی ہوتا ہے۔ امتیاز کی خاطر انہیں گلابی وہابی کہہ دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com